جمالِ قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اھتدی۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد ن المصطفیٰ
وعلی الہٖ واصحابہ المجتبیٰ۔ اس کے بعد اخلاص آئین فقیر مسکین محمد جمال الدین
دہلوی علوی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والخفی عرض کرتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں
ایک مخلص محب بزرگ مشفق برگزیدہ مولوی حافظ حاجی محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتوی
حنفی چشتی مرحوم زمانہ کے امامِ حدیث ہونیکے سوا تصوف میں صوفی صافی فقیر کے نام کے جو
خطوط ان کے لکھے ہوئے تھے۔ انکی موجودگی کے استغنائی سے بے احتیاطی نے
تلف کردیئے اور جو فقیر کی معرفت اکثر خطوط گئے اسیوجہ سے نقل نہ ہوئے آخر سو در سائل
ہندسہ ہیئت فلاحت طبیعی جبر و مقابلہ جرثقیل وغیرہا علوم میں ایک ایک ورق میں لکھنے کی فرمائش
کی بار بار تقریباً مہینے بھر تک مولوی صاحب مرحوم اصرار کئے گئے کہ ہر رسالہ کی ایک ایک
ورق کی قید نہ لگائیے کیونکہ میں قلم کے ہاتھ سے لاچار ہوں فقیر نے اس سبب سے کہ یہ یادگار
ضرور کم ازکم سو جزو سے بڑھ جاویگی تو بوجہ اپنی بے سر و سامانی کے چھپنے سے رہجاویگی قلم
کے اختیار کی رخصت ندی اس باعث یہ کام ناتمام رہا مدت کے بعد انکے امراض کی ترقی
کی حالت میں وحدۃ الوجود اور سماع اموات کا اثبات جس کے اظہار سے لفجوائے ؎
حیف باشد این سخن در گوش عام ٭ طوطیا در چشم نابینا کہ کرد۔ عوام سے چھپا لیا کرتے تھے بمشکل
خطوط کے ذریعہ سے قلم کو رخصت دیکر لکھوا ہی لیا۔ اور آخر عمر کی اس آخری تحریر کی کسی کو

خبر تک نہ ہوئی ۱۲۶۷ ہجری نبوی میں فقیر نے اُن کے شاگرد مولوی **محمود حسن** صاحب دیوبندی مدرس دیوبند وغیرہ کو اشاعت کی امید پر نقل دیدی وعدہ وفا نہ ہوا بہت انتظار کے بعد فقیر نے اپنے رسالہ جمال العارفین کے آخر میں اس کے چھپوانیکا وعدہ کر لیا تھا سو بفضلہ تعالیٰ اب اسے پورا کرتا ہوں۔ اس کی تاریخ (آفتاب ضیاء ۱۲۹۵ھ) اور (جمال قاسمی) سے اسے نامزد کرکے اپنے خاتمہ بالخیر کی استدعا کرتا ہوں گو ایسے مضامین اور ایسوں کی لڑی کے قابل اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ مگر آخر پتے پھولوں کی اور سوت موتیوں اور مصری کے کوزونکی ساتھ ہاتھوں ہاتھ رہتے ہیں عجب نہیں کہ ایسوں کے نام کے ساتھ نام رہنے سے یہ نامہ سیاہ بھی ہمیشگی کے ساتھ مستحق ہوجاوے اور اتحاد قدیم کی وجہ سے المرء مع من احب کا مورد بنجائے۔ **آغاز نقل خطوط** مخدوم ومطاع نیازمندان حامی دین سلالہ خاندان نبوۃ جناب مولوی سید **محمد جمال الدین** شاہ صاحب مدظلکم۔ یہ آپ کا نیازمند محمد قاسم سلام مسنون عرض کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی اول اس تحریر کے باعث ہوئے آپ ہی کو نقل کرانے کیلئے عرض کرتا ہوں۔ مخدوم من لفظ وحدۃ الوجود یوں تو ہر خاص و عام کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ پر اس ایک لفظ کو دیکھا تو باعتبار مذاق اور نیز باعتبار فہم کہیں اس لفظ کے کچھ معنی ہیں کہیں کچھ معنی ہیں اہل حال اور جو ان کے کلام کو بے سوچے نقل و تقلید کرتے ہیں تو وہ وحدۃ الوجود بولتے ہیں اور وحدت موجودات مراد لیتے ہیں۔ اور جو لوگ الفاظ سے موافق ہدایت دلالت وضعی معانی تک پہونچتے ہیں اُن کے یہ معنی کب پسند آئیں گے وہ تو وحدت وجود سے وحدانیت صفت وجود ہی مراد لیں گے وحدہ موجودات یعنی موصوفات بالوجود ہرگز اس لفظ سے نہیں سمجھ سکتے جب یہ بات ذہن نشین خدام والا مقام ہوچکی تو اس نیازمند کی بھی سنئے وحدۃ موجودات تو حال ہے اور وحدۃ وجود حقیقۃ الحال اول فقط شہود اور مشاہدہ حالی سے متعلق ہے واقعیت سے اس کو کچھ علاقہ نہیں اور اسلئے اس وحدۃ وجود کو اگر وحدۃ شہود کہئے تو بجا ہے اور وحدۃ وجود بمعنی اتحاد صفت وجود امر واقعی

خارجی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو مغلوب الحال نہیں اور
اس لیے اُن کو ابن الحال نہیں کہہ سکتے خطاب ابوالحال ان کو مناسب ہے پر براہ استدلال
ہم سے خستہ حال بھی اس مضمون تک پہونچ سکتے اس نارسائی پر اتنی رسائی تو ہم سے گنہگاروں کو
بھی حاصل ہے کہ تمام صفات کا پھیلاؤ عالم میں بطور عروض ہی شرح اس معمّا کی یہ ہے۔ کہ
اتصاف کی کل دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ صفت اپنے موصوف سے صادر ہو اور اس کا موصوف
اسکے حق میں مصدر ہو یعنی صفت مذکورہ موصوف مذکور کے حق میں عطاء غیر نہ ہو بلکہ خانہ زاد ہو مثلاً
جیسے لمظاہر حرارت آتش اور نور آفتاب آتش اور آفتاب کے حق میں صفت خانہ زاد اور
انھیں سے صادر نظر آئے ہیں۔ عالم اسباب میں کوئی سبب ایسا نظر نہیں آتا جو آفتاب
اور آتش کے حق میں اسی طرح واسطہ حصول نور و حرارت ہو جیسے آفتاب و آتش زمین
و آب گرم وغیرہما کے حق میں واسطہ حصول نور و حرارت ہو جاتی ہیں دوسری یہ صورت
ہے کہ صفت اپنی موصوف پر خارج سے اگر واقع ہوئی ہو وہ صفت اس موصوف کی حق میں
صفت خانہ زاد نہ ہو بلکہ عطاء غیر ہو اس قسم کو عرض کہیئے تو بجا ہے۔ اور اس وقوع صفت
کو عروض کہیئے تو زیبا ہے اور میں نے جو یہ عرض کیا تھا کہ صفات کا پھیلاؤ عروض سے ہوتا ہے
اس عروض سے یہی عروض مراد تھا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ مصدر و صفت تو ایک ہی ہوتا ہے
اور اسی کو موصوف بالذات اور موصوف اول حقیقی بھی کہنا چاہیئے اگر اسکی وحدت ضروری نہ ہو تو خدا کی
وحدانیت بھی ضروری نہیں ہو سکتی مطلب یہ ہے کہ خدا اُس ذات پاک کو کہتے ہیں کہ خود مصدر وجود ہو
اور سوا اس کے اور وں کا وجود اسکی عطا ہو اس سے صادر ہو کر اوروں پر واقع ہوا سو اگر مصدر وصف کی
وحدت بحیثیت مصدریت ضروری نہ ہوا کرے اور مقتضائے ذات مصدر وحدت نہ ہو تو خدا کی وحدانیت
بھی ذاتی اور ضروری نہ ہوگی اگر ہوگی تو کسی علت خارجہ کے باعث یہ وحدت اور وحدانیت ہوگی
اور ظاہر ہے کہ جو وصف کسی علت خارجہ کی باعث ہوا کرتا ہے وہ وصف موصوف کے حق میں
وصف ذاتی بمعنی مقتضائے ذات نہیں ہوتا ورنہ علت خارجہ کی ضرورت ہی کیوں ہوتی بلکہ ایسا

وصف بسا اوقات معرض زوال میں رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ حرارت آب گرم جو علت خارجہ یعنی آتش کی بدولت اور نور زمین جو علت خارجہ یعنی آفتاب کی بدولت حاصل ہوتا ہے اکثر زائل ہو جاتا ہے غرض قیام وصف ایسی صورت میں تا قیام علت خارجہ ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ مصدر وصف اور موصوف حقیقی وہ علت خارجہ ہوتی ہے سو وحدانیت مصدر وجود یعنی ذات پاک باری تعالیٰ اگر مقتضائے ذات باری نہ ہو تو پھر یہ وحدانیت علت کا فیض ہوگا اور وہی موصوف حقیقی ہے اور ذاتی نہ ہوگی علاوہ بریں ایک وصف کیلئے متعدد مصدر بمعنی مذکور ہو سکیں تو ان کا تعدد ایک حرف غلط ہو جائے آخر اسقدر تو بدیہی ہے کہ جب صدور مانا تو اول صادر کو مصدر میں ماننا پڑے گا پھر جب ایک صادر ہے اور دو مصدر ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں وصف صادر کیلئے ایسے ہیں جیسا پانی کا منبع پانی کیلئے یعنی وہ دونوں فقط گذرگاہ وصف مذکور ہیں وصف کہیں اور سے آتا ہے اور ان دونوں میں کو نکلکر باہر چلا جاتا ہے اس صورت میں تو وہ دونوں مصدر حقیقی نہ ہوئے کیونکہ اس صورت میں وصف مذکور انکے حق میں عطاء غیر ہوا خانہ زاد نہ ہوا اور یہ کہنا پڑیگا کہ ان دونوں میں تعدد حقیقی نہیں بلکہ جیسا شئی واحد کسی حساب سے یک اور کسی کے حساب سے بسیار ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی تعدد اعتباری ہے۔ جو باوجود وحدت صادر یہ تعدد ہے الحاصل بشرط عقل سلیم یہ بات ضروری التسلیم ہے کہ وصف صادر واحد ہوگا تو مصدر بھی واحد ہی ہوگا ہاں خلق متعدد واحد حقیقی سے اسی طرح متصور ہے جیسے ایک آفتاب سے موافق اشکال مختلفہ روشندانوں اور صحن خانوں کی دھوپ کی شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں سو صدور کو خلق پر قیاس کرنا اپنی غلطی ہے صدور میں اسی شئی کا وجود ہوتا ہے جو صادر ہوتی ہے اور وقت صدور فقط اس کا ظہور ہوتا ہے اور غیروں کو عطا کرانا اس پر موقوف ہوتا ہے اور خلق یعنی پیدا کرنے میں اول عدم ہوتا ہے اس کے بعد وجود کی نوبت آتی ہے ورنہ پیدا کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی باقی مثال درکار ہو تو نور آفتاب تو آفتاب سے صادر ہے اسلئے اول آفتاب میں تسلیم کرنا ضرور ہے اور اشکال مذکورہ کو آفتاب سے صادر نہیں کہہ سکتے ورنہ اول آفتاب میں ان سب کا ہونا ضرور تھا ہاں آفتاب کے باعث اشکال مذکورہ پیدا ہو جاتی ہیں رہی یہ بات کہ اگر

وصف

یا یہ وحدانیت ہوگی ذاتی وحدانیت حقیقی

یہی بات ہی تو پھر تکثر صفات باری کی کیا صورت ہی تو اسکا جواب یہ ہی کہ صفات باری سب باہم
مترتب ہیں متساوی المراتب نہیں چنانچہ وجود پر تمام صفات کا توقف بدیہی ہی ادھر علم پر ارادہ
کا تعلق موقوف اور قدرۃ و تکوین کا تعلق ارادہ پر موقوف اور ظاہر ہی یہ توقف اسی ترتیب کا ثمرہ
ہے اگر باہم ترتیب وجود ہی نہیں تو اس توقف کی کیا ضرورت تھی ہاں اگر یوں کہیے کہ جو صفات
موقوف علیہا ہیں وہ مصدر ہیں اور جو صفات انپر موقوف ہیں وہ انسے صادر ہیں تو البتہ یہ
توقف بھی ضروری ہوگا یعنی جب ایک صفت دوسری صفت کے حق میں ایسی طرح علت وجود
ہوئی جیسے جسم سطح کے حق میں تو جیسے سطح کا تعلق کسی چیز کے ساتھ بے تعلق جسم ممکن نہیں ایسے
ہی تعلق صفت معلولہ بے تعلق اس صفت کے جو علت ہی ممکن نہ ہوگا سو ہم علت اسی کو کہتی
ہیں کہ جو مصدر ہو بالجملہ صفات باہم مترتب ہیں اور اسی لئے ایک دوسرے کے حق میں مصدر
ہے پر ذات باری خود بے واسطہ مصدر صفت واحد وجود ہی یہ صفت بے واسطہ اور سوا اس
کے اور صفات بواسطہ بطور مذکور خدا کے حق میں خانہ زاد ہیں۔ اور سوا اس کے اور جہاں کہیں
یہ صفات جلوہ افروز ہیں وہ خدا ہی کی عطا ہے۔ بالجملہ مصدر وصف تو ایک ہی ہوتا ہے پر
معروض کثیر انہیں کی کثرت صفات کے پھیلاؤ کے حق میں علت ہی اور اس وجہ سی صفات
میں وحدت ہی اور موصوفات میں تعدد اور کثرت اور اس کی ظاہر مثال جس سی وحدت
صفت اور کثرت موصوفات عیاں ہو جائے کشتی کی چال میں سی نکل سکتی ہی یعنی کشتی اگر متحرک ہو
تو بالبداہتہ کشتی اور چیز ہے اور کشتی نشین اور چیز پھر انمیں سی بھی میں اور ہوں اور تم اور زید اور ہی
اور عمرو اور مگر باایں ہمہ یہ بدیہی ہے کہ حرکت ایک ہی غرض صفت ایک ہے اور موصوف
متعدد اتنی بات ہی کہ صفت حرکت ایک طرف حقیقی ہی اور دوسری طرف مجازی ایک طرف سی
صادر ہے اور دوسری طرف وہی واقع یہی وجہ ہی کہ کشتی نشین حرکت سکون سرعت بطوء جہتہ
حرکت استقامت واستدارت حرکت وقت وزمان حرکت میں اسکے تابع ہیں اگر اس کی
طرف سی یہ وقوع اور یہ عطا نہ ہوتی تو یہ اتباع بھی نہ ہوتا استقلال ہوتا سو یہی صورت وجود

اور صفات باقیہ میں سمجھ لیجئے۔ اس تقریر مختصر سے وحدت وجود بمعنی وحدت صفت وجود
بھی واضح ہو گئی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جیسی باوجود وحدت حرکت متحرک جدے جدے ہیں کشتی
جدی اور کشتی نشین جدے اور پھر کشتی نشین بھی باہم ایک نہیں ہیں جدے جدے ہیں ایسی ہی واجب
الوجود جدا ہے اور ممکن الوجود جدا اور پھر انہیں سے بھی ہیں اور ہوں اور تم اور یہ نہ کہیئے تو کیا کہیئے تمام
ہدایتیں غلط ہو جائیں ہاں اگر غلب محبت خداوندی ہیں اگر یہ سب کا رخانہ ایک نظر آئے تو دور
نہیں ہیر قاں کیوقت تمام رنگ ہمرنگ نظر آتے ہیں اور سبز سرخ عینک لگا لیجئے تو سب رنگ
ایک رنگ ہو جاتی ہیں وجہ اس وحدۃ شہود کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ قوۃ باصرہ اجزای صفراوی
اور عینک مذکور میں کو ہو کر نکلتی ہے اور اسلئے انکا رنگ قوۃ باصرہ پر عارض ہو جاتا ہے۔ سو اگر کسی کی
محبت تہہ دل میں ہو تو اس کی قوۃ دراکہ جب کسی چیز پر واقع ہوگی تو لاجرم اسکی قوۃ دراکہ کو
اس کے محبوب میں سے اسی طرح گذار ہوگا جیسے قوۃ باصرہ کو اجزاء صفراوی اور عینک میں کو گذر
ہوتا ہے۔ غرض جو چیز تہہ دل میں ہوگی وہ بالضرور بہ نسبت قوۃ ادراکیہ اور ولنسے دری ہوگی اور
اسلئے اور ونکی راہ میں واقع ہوگی اور وقت گذار قوۃ ادراکیہ اس محبوب کی شکل جو تہہ دل میں
ہے قوۃ ادراکیہ پر عارض ہو جائیگی اور اسلئے جس چیز پر قوۃ ادراکیہ واقع ہوگی اس محبوب کی
شکل اس چیز میں نظر آئیگی مگر ایسی محبت اور کسی محبوب کیساتھ ممکن ہو کہ نہ ہو پر خدا کیساتھ
ضرور ممکن ہے اول تو جتنی وجوہ محبت ہیں۔ سب اسمیں موجود۔ جمال۔ کمال احسان قرابت
مگر قرابت کے یہ معنی نہیں کہ معاذاللہ بوسیلۂ توالد و تناسل رشتہ و پیوند ہے بلکہ یہ مطلب ہے
کہ بدلالت نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ اس کو قرب حاصل ہے سو جب یہ
قرب انتساب جو بوجہ توسط وجود و سبب پیدائش ماں باپ کو اور نہی نوع سے زیادہ حاصل
ہے اور سوا انکے اور اقربا کو انکے واسطے سے بالواسطہ یہ قرب حاصل ہے اور اس وجہ سے باہم
علاقہ محبت ضرور ہے تو وہ قرب جو خدا کو حاصل ہے وہ تو بدرجۂ اولی موجب محبت ہوگا کیونکہ
ماں باپ کا توسط تو مثل توسط رنگریز جو کپڑے ونکو رنگنے کیوقت ہوتا ہے عادی ہے ضروری نہیں

اگر کپڑا ہوا کے باعث خم نیل میں گر جائے تب بھی وہی بات ہے ایسے ہی حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ میں بھی وہی بات تھی جو اور آدمیوں میں ہوتی ہے اور خدا کا توسط ایسا ہے جیسا خود رنگ کا توسط سفید کپڑے کی رنگین ہونے میں الغرض یہ توسط علت حقیقی ہے جسکو اصطلاح اہل معقول میں واسطہ فی العروض کہتے ہیں اور وہ توسط علت مجازی ہے جسکو انکی اصلاح میں واسطہ فی الثبوت کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ علت حقیقی اور اسکے معلول میں ایسا قرب ہوتا ہے جو نور میں اور دہوپ میں اور جسم میں اور سطح میں جیسے نور اور دھوپ اور جسم اور سطح میں بوجہ شدت قرب اور کمال اتصال کسی اور چیز کی بیچ میں گنجائش نہیں ہوتی ایسی ہی وجود باری اور موجودات ممکنہ میں بوجہ کمال قرب کچھہ فاصلہ نہیں ہوتا بلکہ جیسے باینوجہ کہ دھوپ اور سطح ایک انتہا، نور وجسم ہے اور اسوجہ سے ان دونوں کا تعقل[ص۲] ہو ایسی حقایق ممکنہ موجودہ ایک انتہا، وجود ہیں اور اسوجہ سے انکا تعقل اسکی تعقل پر موقوف اسکے اول اسکا تعقل اور تصور ہولے ہو جب کہیں انکا تعقل اور تصور ہو مگر جب یہ ہے تو پھر اگر فرض کرو دہوپ کو عقل عنایت ہو اور وہ اپنے تعقل کو درپے ہو تو اسکے لئے بھی اول نور کی تعقل کی ضرورت ہوگی پھر اسکے بعد اپنا تعقل نصیب ہوگا اور اسوجہ سے یہ کہنا پڑیگا کہ راہ علم و تعقل و تصور میں نور مذکور دھوپ سے بہ نسبت دہوپ قریب ہے کیونکہ اول آتا ہے اور خود دہوپ بہ نسبت نور اپنے آپ سے دور ایسی ہی بوجہ مذکورہ وجود باری حقایق ممکنہ سے نزدیک ہے اور اسلئے اگر یوں کہیے نحن اقرب الیہ من حبل الورید تو بجا ہے غرض یہ قرب اس قرب سے جو والدین کو نصیب ہوا ہے کہیں بڑھکر جب وہ قرب موجب محبّت ہے تو یہ قرب بدرجۂ اولیٰ موجب محبت ہوگا الحاصل تمام وجوہ محبت خدا میں موجود اور پھر ہر وجہ بوجہ اتم اور دوں میں اول تو تمام وجوہ موجود نہیں اور جو کچھ ہے بوجہ اتم نہیں اسلئے اگر نوبت تعلق محبت خدا کی ساتھ آئی تو نہایت شدید ہوگی اور پھر بوجہ قرب مذکور حجاب کی کوئی صورت نہیں یعنی جیسے دھوپ اور نور میں اور سطح اور جسم میں حجاب کی کوئی صورت نہیں ایسی ہی حقایق ممکنہ موجودہ فی الخارج اور وجود باری میں حجاب کی کوئی ضرورت نہیں اسلئے یہ بھی احتمال نہیں کہ کسیطرح اس محبت پر نظروں سے ٹلجائے پھر اس صورت میں اگر بوجہ غلبہ محبت اس قسم کی بات کسی سے سرزد ہو جائے جسکی طرف یہ شعر مشیر ہے ~~~ سمایا ہے تو میری نظروں کے آگے ؛ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے ۔ تو کیا عجب ہے اسپر گرفت نہیں کیونکہ

ص۲: ان دونوں کے تعقل پر موقوف ہو یعنی پہلے ان کا ہولے جب کہیں ان کا تعقل

زیب دیتی ہی جو غلبہ حال یعنی محبت سی آگے نکل گئی ہیں اور حال ادر محبت پر غالب آگئی ہیں ہم سی بی مغز دنکو یہ طعن و تشنیع جو کٹھ ملّا کیا کرتے ہیں زیبا نہیں خطا نہیں مگر ہمارے صواب سے بہتر ع این خطا از صد صواب اولی تراست ۔ الحاصل وحدت موجودات ایک امر مشہور ہی واقعی نہیں ہیں وحدت وجود امر واقعی ہی ورنہ مثل خدا ہر موجود خدا ہو یعنی جب صفت وجود ممکنات کو فیض خدا نہ سمجھیں اور اسکی طرف سے صدور اور انکی طرف وقوع نہ مانئے تو ہر ایک اپنے اپنے وجود میں مستقل ہوگا اور ہر ایک غنی اور مثل خدا خدا سی مستغنی چنانچہ ظاہر ہے طبیعت تھک گئی یہ آپ ہی کا لحاظ تھا جو اس ناتوانی میں کچھہ اوپر چار ورق بعد ظہر کل لکھی تھی اور باقی آج لکھے پسند آئینگی تو یوں امید نہیں کہ میں ایک تو کم فہم دوسرے خستہ جان اور ادھر آپکی نظروں میں بڑے بڑے کاملوں کے کلام اسلئے یہ استدعا ہی کہ تعمیل ارشاد تو ہو چکی اب اس نامۂ سیاہ کو بعد ملاحظہ آپ واپس فرماویں اگر بوجہ حسن اخلاق یا حسن ظن کہنا ہی مد نظر ہو تو جہاں میں نے آپکی خاطر اس ناتوانی میں یہ سخت جانی کی ہی آپ میری خاطر نقل کی تکلیف اٹھائیں اور بعد نقل عنایت فرمائیں العبد محمد قاسم دوم ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ روز سہ شنبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ مخدوم و مخدوم زادۂ آفاق جناب مولوی سید محمد جمال الدین شاہ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ بہ آپکا نیاز مند محمد قاسم اول سلام مسنون عرض کرتا ہے چند روز ہوئے آپکا عنایت نامہ میری سرفرازی کا باعث ہوا اسکا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس تقصیر تاخیر جواب کا عذر عرض کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ تا مقدور فی الفور جواب نامہ عرض کرتا جواب سوال بن پڑتا یا نہ بن پڑتا کیا کروں ان دنوں یہ خستہ جان مبتلائے بلا تھا ڈاڑھ کے درد نے ایسا بی تاب و تواں کر رکھا تھا کہ کیا عرض کروں اسکے بعد ناتوانی نے کچھہ نہ ہونے دیا ۔ وہ کچھ کم ہوئی تھی تو کچھ کچھ اعضا شکنی اور خفیف سا بخار دمساز رہنے لگا ہمت تو آج بھی جواب دیتی ہی مگر کبتک یہ انتظار کیجئے کہ طاقت آئے اور نقاہت جائے اور میں جواب لکھوں اپنی معلومات ہی کتنی ہی جس کیواسطے اتنا انتظار کیجئے ۔ اور آپسے انتظار کرائیے جو کچھہ ہی ابھی عرض کئے دیتا ہوں سماع اموات کے قصہ میں اول تو یہ معروض ہی کہ یہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہی دوسری ضروریات دینی اور عقائد ضروریہ میں سے نہیں اسکی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی اگر بعد مرگ ہمنے اوروں کا سلام و پیام سن لیا تو سماع نہیں تو عدم سماع متحقق ہو جائیگا ۔ علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے

اکابر اگر ایک طرف ہیں بالکل ہو رہئے تو کسی کسی طرف والونکو برا سمجھنا پڑیگا اسلئے اہل اسلام کو
یہ ضروری ہی کہ ایسی مسائل ہیں خواہ مخواہ ایسی پکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں
جب یہ بات گوش گذار خدام ہو چکی تو آگے سنیئے اپنی خیال نارسا کی موافق سمع اموات حد اسماع
سے تو بڑی ہی پر استماع اموات ممکن ہی یہی وجہ معلوم ہوتی ہی کہ خدا نے انّک لا تسمع الموتیٰ فرمایا
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اسکے سلام اہل قبور مسنون کردیا اگر استماع ممکن نہیں تو
پھر یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدونکی زبان درازی کیلئی کافی ہی تفصیل اس اجمال کی یہ ہی
کہ کبھی آواز میں ایسی قوت ہوتی ہی کہ بی تکلف ہر صاحب سمع اسکو سن لیتا ہی اس صورتمین تو سمع سامعین
حد اسماع میں ہوتا ہی اور کبھی بوجہ ضعف آواز متکلم سننے والونکو سر جھکانی اور کان لگانیکی ضرورت
پڑتی ہی اس صورتمیں اصل میں تو سمع سامعین حد اسماع سی خارج ہوتا ہی پر بعد سر جھکانی اور
کان لگانیکے حد اسماع میں آجاتا ہی اسلئے اسکو استماع کہئے اور نفی اسماع کیجئے تو بجا ہی کیونکہ بوجہ ضعف
آواز عدم اسماع تو ظاہر ہی مگر جب سامعین کیطرف سے اہتمام ہو تو انکی طرف سے اخذ اور فعل ظاہر ہو
اور ظاہر ہی کہ استماع میں بہ نسبت سماع ایک مضمون اخذ ہوتا ہی چنانچہ خواص ابواب کے جاننے والے
اور محاورات عرب کے پہچاننے والے ان فرقونکو خوب جانتے ہیں یہ مقدمہ تو معروض ہو چکا اب آگے چلیئے
روح کی حیات اور صفات حیات یعنی وہ صفات جو حیات پر موقوف ہیں مثل سمع و بصر اصلی
اور ذاتی ہیں یعنی یہ صفات روح سے صادر ہوتی ہیں اور عالم اسباب میں اسکے حق میں خانہ زاد
ہیں اور جسم کی حیات اور صفات مذکورہ عرضی ہیں یعنی عطائے روح ہیں روح سے صادر ہو کر اسپر واقع ہوتی
ہیں اتنا فرق ہی کہ حیات جو صفات روحانی کی اصل ہی تمام جسم کو محیط ہوتی ہی اور قوۃ باصرہ اور قوۃ سامعہ
وغیرہ قوی خاصہ اعضائے مخصوصہ کیساتھ مخصوص ہوتی ہیں مگر جسم ہر طرح آباد جو کچھ ہی وہ فیض روحانی ہی جبتک تعلق روحانی
ہے جبھی تک حیات جسمانی اور صفات روحانی کی بھی جسم میں جلوہ گری ہی ورنہ جیسے قبل تعلق کچھ نہ تھا ایسے
ہی بعد انفکاک تعلق بھی کچھ نہیں رہتا البتہ قبل حدوث تعلق اور بعد انفکاک تعلق میں اتنا فرق ہوتا
ہے جیسی قبل محبت اور بعد فراق میں فرق ہوتا ہی یعنی قبل تعلق محبت محبوب سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور جب
تعلق محبت ہو چکا تو پھر بعد فراق ہر دم محبوب کا دھیان رہتا ہی اور اسلئے اسوقت جتنی محبوب کی

خبر ہوتی ہی گی اتنی قبل تعلق محبت ہرگز نہ ہوتی وجہ اسکی وہی ہی کہ بطور استماع مذکور ادھر سے تلقی اور
اخذ رہتا ہی وجہ اس تشابہ کی تو اس سے ظاہر ہی کہ روح اصل میں ایک عالم علوی کا نور پاک اور جسم
اس عالم سفلی کی ایک مشت خاک اور ظاہر ہی کہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؛ پھر جو بعد موت یعنی فراق
جسم خاکی ناگوار ہی تو وجہ اسکی بجز اسکے اور کیا ہی کہ بوجہ کمال انقیاد و کمال انتفاع وصول صحبت روح
کو جسم خاکی سے محبت پیدا ہو جاتی ہی کمال انقیاد تو اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ روح کی اشارہ پر کام
کرتا ہی اور بے سوچ سمجھے اطاعت میں سرگرم رہتا ہی اور کمال انتفاع اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ
تمام قوار روحانی بواسطہ اعضا جسمانی کام کرتے ہیں وہ نہوں تو یہ سب بیکار ہیں باقی طول صحبت
تو خود ظاہر ہی اور اگر طول صحبت بعضے افراد میں نہ ہو تو وہی دو وجہ کافی ہیں اس صورتمیں بعد فراق
توجہ الی الجسم ضروری ہی اور اسلئے اسکے احوال کی تلقی بقدر امکان قریب الوقوع جب یہ مقدمہ بھی
ذہن نشین ہو چکا تو اصل مطلب سنئے حسب تحقیق اہل عقل سماع احیا بذریعہ ہوا ہی۔ اور کیوں نہو
کوئی دیوار اور چھت اگر بیچ میں حائل ہو جاتی ہی تو بسا اوقات باوجود قرب آواز نہیں پہونچتی اور
یوں دور دور تک جاتی ہی پھر جدھر کی ہوا ہوتی ہی ادھر زیادہ جاتی ہی اس سے صاف ظاہر ہی کہ
واسطہ وصول آواز متکلم اور موصل آواز یہ ہوا ہی مگر چونکہ بظاہر کیفیت وصول یہ ہوتی ہی کہ آواز
جو از قسم کیف ہی بمجرد صدور ہوا میں آجاتی ہی اور جیسے پانی میں ڈھیلا مارنے سے چاروں طرف
لہریں اٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں ایسی ہی بمجرد صدور آواز ہوا میں وہ کیفیت آکر چاروں طرف
کو پھیل جاتی ہی اور اسوجہ سے گوش سامع تک پہونچ جاتی اسلئے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہوا کی یہ
لچک کیفیت آواز کو یوں اڑاتی پھرتی ہی اگر یہ لچک ہوا میں نہ ہوتی تو یہ پرواز آواز بھی یوں
نہ ہوا کرتی مگر یہ ٹھیری تو پھر یہ بھی یقینی ہی کہ آب و خاک بھی اپنی اپنی لچک کے موافق آواز کو
پہونچا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں بھی یہ لچک موجود ہی بہت نہیں تھوڑی ہی سہی پانی کا
حال تو خود ظاہر ہے رہی یہ خاک اسکی لچک درختوں کے نکلنے اور کھونٹوں کے گاڑنے سے آشکارا
ہی اگر زمین میں قدر قلیل مضمون سیلان یعنی وہ لچک نہیں ہی تو موٹی موٹی جڑوں اور بڑی بڑی کھونٹوں کی
گنجائش کی پھر کیا صورت ہی اسلئے یہ ضرور ہی کہ یہ دونوں چیزیں بھی آواز کو تھوڑا بہت

پہونچایا کریں۔ ادھر اس خیال کو اپنے ادراک کے مطابق پایا گھیونگی کھڑکھڑ کی آواز زمین
میں خود محسوس ہوتی ہے یہ احساس بالبداہتہ اس پر شاہد ہے کہ زمین بھی واسطہ ایصال آواز
ہے البتہ وہ بات نہیں جو ہوا میں نظر آتی ہے القصہ زمین بھی آواز کو پہونچاتی ہے مگر بہت
کم ادھر بعد مرگ روح کو جسم خاکی سے بہت کم علاقہ رہگیا اور جو کچھ تھا بھی تو جسم مذکور کی شکل و صورت
کے بگڑ جانے نے اسکو اور بھی گھٹا دیا یعنی بعد مرگ وہ علاقہ تسلط تو باقی نہ رہا یہی وجہ ہے کہ بعد مرگ
جسم و اعضاء جسمانی سے روح کچھ کام نہیں لے سکتی البتہ علاقہ محبت باقی تھا سو شکل و صورت کے
بگڑ جانے نے جو سبب عظیم نفرت ہے اس محبت کو اور بھی کم کر دیا کیونکہ نفرت ہوئی تو وہ رغبت کہاں
جو محبت کو لازم ہے الغرض ادھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ ابصار و اسماع تھا
ادھر واسطۂ ایصال بعد دفن آب و خاک ہے جس میں خفیف سی لچک اور قلیل سا سیلان ہے اسلئے خواہ
مخواہ یہی کہنا پڑیگا کہ حد قوت اسماع متکلم سے قوت سامعۂ اموات جو بالفعل فقط روح کیساتھ قائم
ہے اور جسم سے چنداں تعلق نہیں رکھتی ہے پر باینہمہ تعلق بھی موجود ہے گو ضعیف ہے اور واسطہ وصول
آواز میں سیلان اور لچک بھی موجود ہے گو خفیف ہے اسلئے اگر ادھر سے بوجہ توجہ و اقتراب جو محبت مذکورہ کو
لازم ہے تلقی آواز یعنی استماع ہو تو بعید نہیں اسلئے مناسب یوں ہے کہ قبرستان میں گذرے تو سلام سے دریغ نہ کرے
اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جاوے
مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جدا جدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیال خام میں اولیاء کو قادر
اور متصرف یعنی غنی محتاج الیہ سمجھتے ہیں تو اگر اس زمانہ میں اس امکان استماع کا بھی چرچا کیا جائے تو اس غل
سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں البتہ قوت مضامین شرکیہ کا گمان غالب ہے اسلئے یوں مناسب ہے کہ عوام
کو فقط طریقہ مسنونہ زیارت قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع نہ ہونے دے ورنہ اس علم امکان سے
ترقی مدارج تو معلوم کیونکہ ضرر یا دینی میں ہے نہیں البتہ مواخذہ نقصان مذکورہ کا احتمال ہے جب یہ سب
باتیں نذر خدام ہو چکیں تو اس ذیل میں وہ مضمون بھی عرض کئے دیتا ہوں جو فی الجملہ ماقبل کے مناسب ہے
انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل مرگ تھا یہی
وجہ ہے کہ انکے اجساد مثل اجسام احیاء پھولتے پھٹتے نہیں چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکو

ازواج مثل ازواج احیاء اور انسے نکاح کرنیکا اختیار نہیں رکھتے اور یہی وجہ ہی کہ انکی اموال کو مثل اموال
احیاء انکے وارث تقسیم نہیں کرسکتے اور اسی وجہ سے حدیث لَا نُوْرَثُ کو معارض آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور آیت
لَا تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا کو معارض آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا
نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور آیت والذین یتوفون کی مصداق وہ ہیں جنکی ارواح کو ان
کے ابدان کیساتھ وہ تعلق نہ رہا جو حالت حیات میں تھا چنانچہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان میں لفظ
ترک اور آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ میں مادہ توفی اسپر شاہد ہی علیٰ ہذا القیاس آیت وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ
لَوْ تَرَکُوْا مِنْ خَلْفِھِمْ ذُرِّیَّۃً ضِعٰفًا میں لفظ ترک کو قرینہ مضمون معروض ہی کیونکہ جیسی مضمون توفی جبھی
چسپاں ہوسکتا ہی جبکہ کوئی چیز نکال لیجائی اور یہ بات یہاں اسیوقت صحیح ہوتی ہی جب روح کو بدن سے نکال
باہر کیجئے کیونکہ الذین کا مصداق آیت والذین یتوفون میں وہی ہی اور نیز وہ نہ ہو تو جسم ہو اور ظاہر
ہی کہ جسم مورد توفی وقت مرگ نہیں ہوتا اسلئے یہی کہنا پڑتا ہی کہ روح کو ایسی لوگونکی اپنی جسم سی وہ علاقہ
نہیں رہتا جو وقت حیات تھا ایسی ہی مضمون ترک بھی گرفتاران محبت اولاد و اموال کی حق میں جبھی صحیح
ہوسکتا ہی جبکہ اس خاکدان سفلی کو چھوڑکر عالم علوی کو چلی جائیں سو یہ بھی جبھی متصور ہی جبکہ روح کو وہ تعلق
اول نرہی ورنہ وہ ترک نہیں بلکہ مثل بندیوان دست و پابستہ ملاقات اولاد و تصرفات اموال سی محجوب ہیں یہی
وجہ ہی کہ قیدیوں کے ازواج و اموال اُن کی ملک سے خارج نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہی کہ سکتہ والوں کی ازواج و
اموال بدستور اسکے ملک میں باقی رہتی ہیں ان دونوں میں اتنا فرق ہی کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہوتی ہیں اور
سکتہ والوں کی روح مقید ہو جاتی ہی مگر اسکا قیدخانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہی اسلئے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال
اختیاری ہوا کرتا ہی اور نور آفتاب و قمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہی اسی طرح بند ہو جاتا ہی جیسی چراغ پر
کسی ظرف کے رکھدینے کیوقت اسکی نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہی سو یہی صورت بعینہ انبیاء علیہم السلام کی موت
کی سمجھئے۔ اتنا فرق ہی کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضاء میں سے روح کھینچ لیجاتی ہی اور تمام قوائے
روحانی کو مثل قوت سامعہ و قوت باصرہ اپنی مواقع سی کھینچ لیتی ہیں اور اسوجہ اگرچہ تدبیر مناسب
بن نہ پڑی تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کردیتی ہیں اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے
پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہی اور اسلئے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے

جیسے ظرف مذکور کو رکھدینے کے بعد چراغ کی شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کیجئے چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونیکو ہو بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماع مدات اور ہی قوت آجاتی ہے اور مثل نور چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتی ہیں اور اس سے بھی روشن مثال اجتماع اضداد کی ضرورت ہو تو آب گرم کی گرمی عارضی اور برودت طبعی کو پیش نظر رکھکر اپنا اطمینان فرمالیجئے یا ادویہ حارہ کی برودت خارجی اور ادویہ باردہ کی حرارت خارجی پر نظر ڈالئے اور وہم موہوم استحالہ اجتماع اضداد کو دلسے نکالئے شرح اسکی یہ ہے کہ آب گرم کی برودت طبعی وقت حرارت بھی موجود ہے یہی سبب ہے کہ آگ کو بجھا رہی ہے اگر وہ برودت نہ بھی تو یہ آتش کشی کیوں ہے علیٰ ہذا القیاس ادویہ میں وقت عروض کیفیت مخالف طبیعت اگر طبیعت اصلی باقی نہیں رہتی تو یہ تاثیر کیوں ہے القصہ اگر ایک ضد طبعی اور ذاتی ہو اور دوسری خارجی عارضی تو پھر یہ اجتماع محال نہیں بلکہ ممکن کثیر الوقوع ورنہ کارخانہ عروض بالکل باطل ہو جائے عروض اوصاف وہیں ہوتا ہے جہاں ان اوصاف کی اضداد ہوتی ہیں زمین میں ظلمت اصلی ہی ہو تو اسپر عارض ہوتا ہے ہاں یہ محال ہے کہ دونوں وصف متضاد عارضی یا طبعی ہوں اور پھر مجتمع ہو جائیں مگر یہ ہے تو پھر قوت حیات جسکو قوت سامعہ کی قوت بھی لازم ہے انبیاء میں اس بات کو مقتضی ہے کہ اس قوت کا تعلق قوت سامعہ سے اس ضعف واسطہ کا تدارک ہو جائے اور انکا سماع بعد وفات بھی بدستور باقی رہے اب اگر کسی کو حیات شہداء کا خیال آئے اور اسوجہ سے کچھ اور خیال آئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات شہداء کا اجسام یعنی اجواف طیر خضر کے اعتبار سے ہے چنانچہ حدیثوں میں مصرح ہے اور قراۃ لفظ عِندَ رَبِّہِم جو احیاء کے بعد تھے ہے اسطرف مشیر ہے اور جب حیات شہداء کی یہ کیفیت ہے تو انکے ازواج و اموال اور انکی ازواج و اموال کیطرح بمجرد مرگ انکی ملک سے نکل جائیں گے البتہ ازواج کو نکاح ثانی میں اتنا انتظار کرنا پڑیگا جسمیں احتمال اختلاط نطفہ شوہر اول و شوہر ثانی باقی نہ رہے سو وضع حمل میں تو یہ بات ظاہر ہی ہے اور دس دن چار ماہ میں بایں وجہ کہ چار ماہ کے تین چلّہ ہوتے ہیں اور موافق ارشاد نبوی تین چلّہ کے بعد نفخ روح کی نوبت آتی ہے اور دس دن میں کسقدر قوت حرکت آہی جائیگی جس سے حمل ہوگا تو یقینی ہو جائیگا یہ بات یوں ٹھیک ہو جاتی ہے کہ بوجہ ظہور حرکات جو اعلیٰ درجہ کا ظہور ہے حمل کا تیقن ہو تو موافق آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ انتظار وضع حمل کیا جائیگا ورنہ بوجہ عدم حمل بے اندیشہ

جو چاہو سو کرو غرض ان دونوں آیتوں میں جو بظاہر دربارہ میعاد عدت مختلف معلوم ہوتی ہیں اختلاف نہیں بلکہ منشاء دونوں آیتوں کا وہی قطعوں کی اختلاط کا بچاؤ ہے اتنا فرق ہے کہ وضع حمل کے بعد خلو رحم کا یقین تھا اور اسلئے اختلاط کا احتمال ہی نہ تھا وہاں تو بطور قطع یہ فرما دیا اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور دس دن چار ماہ میں اتنا معلوم ہو جاتا تھا کہ حمل ہے کہ نہیں اسلئے تَرَبُّص ارشاد ہوا جو بمعنی انتظار ہے الحاصل ازواج مثل ازواج دیگر اموات انکی ملک سے نکلجاتی ہیں اور مثل ازواج دیگر اموات عدت متعینہ تک انکو ممانعت نکاح ہے پر یہ ممانعت جیسے بوجہ بقاء ملک اور اموات نہیں بلکہ بوجہ اندیشہ اختلاط نسب ہے ایسے ہی ازواج شہداء کو بھی اگر ممانعت ہے تو بوجہ بقاء ملک نہیں بوجہ اختلاط اندیشہ ہے تاکہ احکام صلہ و میراث و نکاح و سفر میں کچھ آمد و رفت پیش آئے اور موافق ارشاد وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ احکام مذکورہ میں حقیقۃ الحال معلوم رہے کچھ اشتباہ نہو اور وجہ تساوی کی جو شہداء اور اموات باقیہ میں ملحوظ ہے وہی ہے کہ اس بدن کی اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو عجب نہیں کیونکہ انکو حسب نعم البدل عنایت ہو گیا تو اب اس جسم کی محبت کیا رہی ہو گی اسلئے انکا سماع اور انکی قبور سے استفاضہ زیادہ مستبعد ہے، اور انکی ازواج و اموال زیادہ تر قابل اجازت غیر ہیں کیونکہ احتمال استماع بوجہ بقاء محبت تھا اور امکان فیض بھی اسی محبت اور توجہ پر مبنی تھا اور ازواج و اموال سے قطع امید اغیار باین نظر تھی کہ ازواج تو موافق ارشاد نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ مزرعہ اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ تخم اولاد یعنی نطفہ والد جو اس مزرعہ میں ڈالا جاتا ہے وہ موافق قاعدہ نباتات اسی جسم سے پیدا ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس اموال جو موافق ارشاد جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا اور نیز بالبداہتہ بغرض حفظ جسم خاکی یا مرمت جسم خاکی عنایت ہوا ہے اسی بدن کیلئے ہے سو جیسے گھوڑا ہے تو گھاس دانہ کا بھی فکر ہے اور وہ نہ رہے تو انسے بھی مطلب نہیں رہتا ایسے ہی یہ بدن ہے تو ازواج و اموال سے بھی تعلق ہے اور اس بدن ہی کو چھوڑ گئے تو پھر اسکے متعلقات سے کیا مطلب رہ گیا اسلئے یوں مناسب ہے کہ خدا کی نعمتیں بوجہ بیکار رہیں یعنی اموال کو اسکے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ازواج کو اجازت ہو جائے کہ وہ اپنا فکر خود کرلیں مگر اور لوگ تو سبکو چھوڑ جاتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام فقط مال کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ازواج دینے کی قابل ہی نہیں جو چھوڑ دیجیے بالجملہ انبیاء اموال کو چھوڑ دیتے

اور اموات باقی ازواج و اموال دونوں کو چھوڑ جاتی ہیں چنانچہ وقت موت اور انکی مجبوری اور انبیاء کی خود مختاری جسپر انکی رضا سے انکی ازواج مقبوض ہونا دلالت کرتا ہے اس فرق پر شاہد ہے اور ظاہر ہے کہ چھوڑ جاتے ہیں تو جانیکی ضرورت میں چھوڑنا پڑتا ہے ورنہ اصل میں چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے اور چھوڑ دینے میں دینے کیلئے باختیار خود چھوڑتے ہیں سو اسی فرق کی اظہار کیلئے آپنے یہ ارشاد فرمایا ما ترکناہ صدقۃ تاکہ لفظ صدقہ چھوڑ دینے پر دلالت کرے اور کسی کو چھوڑ جانیکا وہم نہ ہو جو انجام کار یہ وہم نہو کہ ترک ہے تو ما ترک میں آپکا متروکہ بھی داخل ہو گیا اسلئے یوں مناسب ہے کہ موافق ارشاد یوصیکم اللہ اسپر بھی میراث جاری کیونکہ چھوڑنا جو مفہوم ترک ہے گو دونوں میں مشترک ہے مگر وہی فرق ہے جو میں نے عرض کیا اسی لئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ صدقہ سے ایک قسم ترک کو متعین کر دیا ایسی ہی لفظ للرجال نصیب وللنساء نصیب سے خدا نے اوروں کے حق میں قسم ثانی ترک کو معین کر دیا علیٰ ہذا القیاس آیت ولیخش الذین بقرینہ خافوا علیہم میں قسم ثانی کی تخصیص فرما دی شرح اس معما کی یہ ہے کہ خوف اسیوقت متصور ہے جبکہ یہ مجبوری چھوڑ کر جائیں باختیار خود چھوڑ دیجئے تو کیا خوف ہے جو چیز اوروں کو دے بیٹھتے ہیں وہ ضائع ہو یا باقی رہے اپنی بلا سے غرض جس چیز سے خود ہی تعلق ہو جائیں وہ رہے یا جائے اس کا کیا خوف علیٰ ہذا القیاس اموال کو باختیار خود ہم وقت مرگ چھوڑ دیا کریں تو جسکو ہم دے جایا کریں وہ اسی کا ہے جیسے ایام حیات کے تصرفات میں خدا کو کچھ مزاحمت نہ تھی اس صورتمیں وقت مرگ بھی خداوند عالم دخل نہ دیتے مگر یہ ارشاد اسی بنا پر ہے کہ اموات اپنے اموال کو چھوڑ کر جاتے ہیں چھوڑ دینا نہیں ہے چنانچہ موت کی مجبوری خود اسپر شاہد ہے کہ دل خستہ بدستور لبریز محبت ازواج و اموال و اولاد ہے پھر کیونکر کہد یجئے کہ ہم چھوڑ دیتے ہیں نہیں یہ چھوڑ جانا ہے سو یہ چھوڑ جانا اسی وقت متصور ہو کہ جسم سے اخراج روح ہو اور جس قسم کا اس کا دخول تھا جسپر یہ تمام آثار تسلط یعنی باختیار خود جسم اور اعضائے جسم سے کام لینا دلالت کرتا ہے اس کے مناسب خروج متحقق ہو جائے سو یہ بات بدلالت فرق احکام مذکورہ اور اموات میں تو ہوتی ہے پر انبیاء میں نہیں ہوتی یعنی بقاء اجساد کا انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے

ضروری ہونا اور سوا اُن کے اوروں کے لئے ضروری نہ ہونا اور ازواج انبیاء کرام علیہم السلام کو نکاح ثانی کی اجازت کا نہ ہونا اوروں کی ازواج کیلئے اس اجازت کا ہونا اور اموال انبیاء کرام علیہم السلام میں میراث کا جاری نہ ہونا اور اوروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد ہے کہ ازواج انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں اور اس لئے سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لئے ان کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے جیسے ایام حیات میں احیاء کی زیارت ہوا کرتی ہے اور اسو جہ یوں نہیں کہہ سکتے کہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل زیارت مسجد زیارت مکان ہے۔ اور اسی وجہ بحکم لا تشدوا الرحال وہاں اس اہتمام سے جانا ممنوع ہے بلکہ وہ زیارت مکان نہیں زیارت مکیں ہے سو اگر لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلیٰ مَسْجِدٍ محذوف نہ ہو بلکہ اِلیٰ مَکَانٍ ہی محذوف ہو جنس قریب مستثنیٰ نہیں بلکہ جنس بعید مستثنیٰ الیہ اور وجہ یہ ہو کہ وجہ ممانعت یہ ہے کہ محنت بے سود ہوگی سو زیارت جملہ مکانات میں خواہ مسجد ہو خواہ کچھ اور سوائے مساجد ثلثہ جن کا ثواب عظیم ظاہر ہے یہ وجہ برابر ہے تب بھی زیارت نبوی میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس ترحم کی امید ہے جس کا نتیجہ مغفرت اور رضوان خداوندی نظر آتا ہے کیونکہ یہ زیارت مکان نہیں زیارت مکیں ہے زیادہ کیا عرض کروں عنایت فرما کر اس تحریر کی نقل یا خود یہ اصل عنایت فرمائیں ورنہ ایام نقاہت کی یہ کاگذاری انجام کار بہت دشوار معلوم ہوگی زیادہ بجز التماس دعا اور کیا عرض کروں۔ میری کیفیت یہ ہے کہ ایک مدت سے کسی کسی مرض میں مبتلا رہتا ہوں دعا کا محتاج باقی بیماری کی اس نواح میں کثرت ہے، حاضرین خدمت کی خدمت میں سلام سیوم ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ روز چہار شنبہ

العبد محمد قاسم

(مطبوعہ مجتبائی برقی پریس دہلی)